

تفسیر القرآن

الشعراء

(۴)

_____ (اُس روز) جنت پر پہنچنے والوں کے قریب لے آئی جائے گی، اور دونوں پہلے ہوتے لوگوں کے سامنے کھول دی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ اب کہاں ہیں وہ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر رہے ہیں یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟ پھر وہ معبود اور یہ پہلے ہوئے لوگ، اور ابلیس کے لشکر سب کے سب اس میں اوپر تلے دھکیل دیئے جائیں گے۔ وہاں یہ سب آپس میں جھگڑیں گے اور یہ پہلے ہوئے لوگ اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ "خدا کی قسم، ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے جبکہ تم کو

لہ یہاں سے آخر پیرا اگر آفت تک کی پوری عبارت حضرت ابراہیمؑ کے کلام کا جز نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کا مضمون صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی بات اس گزارش پر ختم ہو گئی کہ "خدا یا میرے باپ کو سزا دیکر قیامت کے روز مجھے رسوا نہ کیجیو، اگرچہ میں یہ جانتا ہوں کہ اس روز مالِ اولاد کسی کے کام نہیں آسکتی، کام آسکتا ہے تو صرف قلبِ سلیم"۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جملہ متعززہ کے طور پر یہ بتاتا ہے کہ اس روز گمراہ لوگ کس انجام سے دوچار ہوں گے۔

یعنی ایک طرف متقی لوگ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ دیکھ رہے ہوں گے کہ کتنی نعمتوں سے لبریز جگہ ہے جہاں اللہ کے فضل سے ہم جانے والے ہیں۔ اور دوسری طرف گمراہ لوگ ابھی میدانِ حشر ہی میں ہوں گے کہ ان کے سامنے اُس جہنم کا ہولناک منظر پیش کر دیا جائے گا جس میں انہیں جانا ہے۔

سہ اصل میں لفظ "کیکیو" فرمایا گیا ہے جس میں دو مفہوم شامل ہیں۔ ایک یہ کہ ایک کے اوپر ایک دھکیل دیا جائے گا، دوسرے یہ کہ وہ تعزیر جہنم تک لڑھکتے چلے جائیں گے۔

رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے۔ اور وہ مجرم لوگ ہی تھے جنہوں نے ہم کو اس گمراہی میں ڈالا۔ اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی جگری دوست۔ کاش ہمیں

تک یہ پیروں اور معتقدوں کی طرف سے اُن لوگوں کی قواضیح ہو رہی ہوگی جنہیں یہی لوگ دنیا میں بزرگ، پیشوا اور رہنما مانتے رہے تھے، جن کے ہاتھ پاؤں چومے جلتے تھے، جن کے قول و عمل کو سند مانا جاتا تھا، جن کے حضور ندریں گزرانی جاتی تھیں۔ آخرت میں جا کر جب حقیقت کھلے گی اور پیچھے چلنے والوں کو معلوم ہو جائیگا کہ آگے چلنے والے خود کہاں آئے ہیں اور ہمیں کہاں لے آئے ہیں تو یہی معتقدین ان کو مجرم ٹھہرائیں گے اور ان پر لعنت بھیجیں گے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ عالم آخرت کا یہ عبرت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے تاکہ اندھی تقلید کرنے والے دنیا میں آنکھیں کھولیں اور کسی کے پیچھے چلنے سے پہلے دیکھ لیں کہ وہ ٹھیک بھی جا رہا ہے یا نہیں۔ سورہ اعراف میں فرمایا:-

ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا تو اپنے ساتھ کے گروہ پر لعنت کرتا جائیگا۔ یہاں تک کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر گروہ والا گروہ پہلے گروہ کے متعلق کہے گا کہ اسے ہمارے رب یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، اب انہیں آگ کا دہرا عذاب۔ رب فرمائے گا سب ہی کے لیے وہی عذاب ہے مگر تم جانتے نہیں ہو۔

كَلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعْنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ
إِذَا دَارَ كُوفِيهَا جَمِيْعًا قَالَتْ أَخْرَاهُمْ
لَاؤُلَهُمْ رَبَّنَا هُوَ لَوْ لَا إِصْلَانُنَا فَا تَمُّ عِنْدَ آبِئِنَّا
مِنَ النَّارِ قَاتِلٌ يُّكَلِّمُ الضَّعِيفَ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ
(رکوع ۴۴)

سورہ حم السجدہ میں ارشاد ہوا ہے:

اور کافر اس وقت کہیں گے کہ اے پروردگار ان جنوں اور انسانوں کو ہمارے سامنے لا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تاکہ ہم انہیں پاؤں تلے روند ڈالیں اور وہ پست و ذلیل ہو کر رہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذِينَ
أَصَلْنَا مِنَ الْجِبْتِ وَالْإِنْسِ جَعَلْنَاهُمْ تَحْتَ
أَقْدَامِنَا لِيَكُونُوا مِنَ الْمُسْقَلِينَ۔ (رکوع ۴۴)

ایک دفعہ پھر ٹپٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومن ہوں۔
یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے
نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

یہی مضمون سورہ اعراب میں ارشاد ہوا ہے:

وَتَأْتُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا
فَأَصَلُّونَا السَّبِيلَا، رَبَّنَا إِنِّي أَتَمُّ صِعْفِينَ مِنَ
الْعَذَابِ وَالْعَنَاءِ لَعْنَا كَبِيرَا (رکوع ۸)

اور وہ کہیں گے اے رب ہم نے اپنے سرداروں
اور بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہم کو سید
رہنے سے بھٹکا دیا۔ اے رب ان کو دو گنا عذاب
دے اور ان پر سخت لعنت کر۔

یعنی جنہیں ہم دنیا میں سفارشی سمجھتے تھے اور جن کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ تھا کہ ان کا دامن جس نے
تھام لیا بس اس کا بیڑا پار ہے، ان میں سے آج کوئی بھی سعی سفارش کے لیے زبان کھولنے والا نہیں ہے۔
یعنی کوئی ایسا بھی نہیں ہے جو ہوا و نعم خوار اور ہمارے لیے کڑھنے والا ہو، چاہے ہم کو چھڑانے کے
مگر کم از کم اسے ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی ہی ہو۔ قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ آخرت میں دوستیاں صرف اہل
ایمان ہی کی باقی رہ جائیں گی، رہے گمراہ لوگ، تو وہ دنیا میں چاہے کیسے ہی جگری دوست رہے ہوں وہاں
پہنچ کر ایک دوسرے کے جانی دشمن ہونگے، ایک دوسرے کو مجرم ٹھہرائیں گے اور اپنی بربادی کا دمر دار
قرار دے کر ہر ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ سزا دلوانے کی کوشش کریگا۔ **الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ** (الزخرف - رکوع ۶) "دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہونگے
مگر متقین کی دوستیاں قائم رہیں گی۔"

یہ اس تمنا کا جواب بھی قرآن میں دے دیا گیا ہے کہ **وَلَوْ تَرَىٰ ذُوَ الْعَادُوِّ الْمَانُهَا عُنْدَهُ**
(الانعام - رکوع ۶) "اگر انہیں سابق زندگی کی طرف واپس بھیج دیا جائے تو وہی کچھ کریں جس سے انہیں منع
کیا گیا ہے۔" رہا یہ سوال کہ انہیں واپسی کا موقع کیوں نہ دیا جائیگا، اس کے وجوہ پر مفصل بحث ہم سورہ
مومنون حاشیہ نمبر ۹۱ میں کر چکے ہیں۔

قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جبکہ ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا تھا کیا

۱۱ حضرت ابراہیمؑ کے اس قصے میں نشانی کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ مشرکین عرب اور بالخصوص قریش کے لوگ ایک طرف تو حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کا دعویٰ اعلان کے ساتھ انتساب پر فخر کرتے ہیں مگر دوسری طرف اسی شرک میں مبتلا ہیں جس کے خلاف جدوجہد کرتے ان کی عمر بیت گئی تھی اعلان کے لائے ہوئے دین کی دعوت آج جو نبی پیش کر رہا ہے اس کے خلاف ٹھیک وہی کچھ کر رہے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ ان کو یاد دلایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تو شرک کے دشمن اور دعوت توحید کے علم بردار تھے، یہ خود بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ حضرت مدوح مشرک نہ تھے، مگر پھر بھی یہ اپنی منہ پر قائم ہیں۔ دوسرا پہلو اس قصہ میں نشانی کا یہ ہے کہ قوم ابراہیمؑ دنیا سے مٹ گئی اور ایسی مٹی کہ اس کا نام نشان تک باقی نہ رہا، اس میں سے اگر کسی کو بقا نصیب ہوا تو صرف ابراہیمؑ علیہ السلام اور ان کے مبارک فرزندوں راسماعیلؑ و اسحاقؑ کی اولاد ہی کو نصیب ہوا۔ قرآن میں اگرچہ اس عذاب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے نکل جانے کے بعد ان کی قوم پر آیا، لیکن اس کا شمار معذیب قوموں ہی میں کیا گیا ہے: **الْمُرِّيَاتِيْمُ نَبَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُوْدٍ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَاَلْمَوْتَفِكٰتِ (التوبہ - رکوع ۹)۔**

۱۲ تعاقب کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۲۰ تا ۲۲ - ۲۹۹ تا ۳۰۱ - ۳۳۳ تا ۳۴۲ - جلد سوم صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۴ - ۲۷۳ تا ۲۷۶ - اس کے علاوہ قصہ نوح علیہ السلام کی تفصیلات کے لیے قرآن مجید کے حسب ذیل مقامات بھی پیش نظر رہیں: الفرقان رکوع ۲ - العنکبوت رکوع ۲ - بصفت رکوع ۳ - القمر رکوع ۱ - سورہ نوح مکتل۔

۱۳ لہذا اگرچہ انہوں نے ایک ہی رسول کو جھٹلایا تھا، لیکن چونکہ رسول کی تکذیب و حقیقت اس دعوت اور پیغام کی تکذیب ہے جسے لیکر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، اس لیے جو شخص یا گروہ کسی ایک رسول کا بھی انکار کر دے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تمام رسولوں کا منکر ہے۔ یہ ایک بڑی اہم اصولی حقیقت ہے جسے قرآن میں جگہ جگہ مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی

تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں، لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت

کا فریضہ گئے ہیں جو صرف ایک نبی کا انکار کرتے ہوں، باقی تمام انبیاء کو مانتے ہوں۔ اس لیے کہ جو شخص اصل پیغام رسالت کا ماننے والا ہے وہ تو لازماً ہر رسول کو مانے گا۔ مگر جو شخص کسی رسول کا انکار کرتا ہے وہ اگر دوسرے رسول کو مانتا بھی ہے تو کسی عصبيت یا تقلیدِ آبائی کی بنا پر مانتا ہے، نفس پیغام رسالت کو نہیں مانتا، ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہی حق ایک پیش کرے تو یہ اسے مان لے اور وہی دوسرا پیش کرے تو یہ اس کا انکار کر دے۔

اللہ دوسرے مقامات پر حضرت نوحؑ کا اپنی قوم سے ابتدائی خطاب ان الفاظ میں آیا ہے۔ اُعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ (المومنون - رکوع ۲) اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے، تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ اَوْ اَعْبُدُوا اللَّهَ وَالْقَوَّةَ وَاطِيعُونَ (نوح - ۲) اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس لیے یہاں حضرت نوحؑ کے اس ارشاد کا مطلب محض خوف نہیں بلکہ اللہ کا خوف ہے۔ یعنی کیا تم اللہ سے بے خوف ہو گئے؟ اس کے سوا دوسروں کی بندگی کرتے ہوئے تم کچھ نہیں سوچتے کہ اس باغیانہ روش کا انجام کیا ہوگا؟

دعوت کے آغاز میں خوف دلانے کی حکمت یہ ہے کہ جیت تک کسی شخص یا گروہ کو اس کے غلط رویے کی بد انجامی کا خطرہ نہ محسوس کرایا جائے، وہ صحیح بات اور اس کے دلائل کی طرف توجہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ راہِ راست کی تلاش آدمی کے دل میں پیدا ہی اُس وقت ہوتی ہے جب اس کو یہ فکر دامن گیر ہو جاتی ہے کہ کہیں میں کسی ٹیڑھے راستے پر تو نہیں جا رہا ہوں جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

اللہ اس کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ میں اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر یا کم و بیش کر کے بیان نہیں کرتا بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتا ہے وہی بے کم و کاست تم تک پہنچا دیتا ہوں۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ میں ایک ایسا رسول ہوں جسے تم پہلے سے ایک امین اور راستباز آدمی کی حیثیت سے جانتے ہو۔ جب میں خلق کے معاملے میں خیانت کرنے والا نہیں ہوں تو خدا کے معاملے میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں۔ لہذا تمہیں باور کرنا چاہیے کہ جو کچھ میں خدا کی طرف سے پیش کر رہا ہوں اس میں بھی ویسا ہی امین ہوں

کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔
جیسا دنیا کے معاملات میں آج تک تم نے مجھے امین پایا ہے۔

۱۳ یعنی میرے رسول امین ہونے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تم دوسرے سب مطاعوں کی اطاعت چھوڑ کر
صرف میری اطاعت کرو اور جو احکام میں تمہیں دیتا ہوں ان کے آگے تسلیم خم کرو، کیونکہ میں خداوند عالم کی
مرضی کا نمائندہ ہوں، میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور میری نافرمانی محض میری ذات کی نافرمانی نہیں
بلکہ براہ راست خدا کی نافرمانی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول کا حق صرف اتنا ہی نہیں
ہے کہ جن لوگوں کی طرف وہ رسول بنا کر بھیجا گیا ہے وہ اس کی صداقت تسلیم کر لیں اور اسے رسول برحق مان
یں۔ بلکہ اس کو خدا کا سچا رسول مانتے ہی آپ سے آپ یہ بھی لازم آجاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے
اور ہر دوسرے قانون کو چھوڑ کر صرف اسی کے لائے ہوئے قانون کا اتباع کیا جائے۔ رسول کو رسول نہ
ماننا، یا رسول مان کر اس کی اطاعت نہ کرنا، دونوں صورتیں دراصل خدا سے بغاوت کی ہم معنی ہیں اور دونوں
کا نتیجہ خدا کے غضب میں گرفتار ہونا ہے۔ اسی لیے ایمان اور اطاعت کے مطالبے سے پہلے "اللہ سے ڈرو"
کا تنبیہی فقرہ ارشاد فرمایا گیا تاکہ ہر مخاطب اچھی طرح کان کھول کر سن لے کہ رسول کی رسالت تسلیم نہ کرنے
یا اس کی اطاعت قبول نہ کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔

۱۴ یہ اپنی صداقت پر حضرت نوح کی دوسری دلیل ہے۔ پہلی دلیل یہ تھی کہ دعوائے نبوت سے
پہلے میری ساری زندگی تمہارے درمیان گزری ہے اور آج تک تم مجھے ایک امین آدمی کی حیثیت سے
جانتے رہے ہو۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ میں ایک بے غرض آدمی ہوں، تم کسی ایسے فانی فائدے کی نشان
دہی نہیں کر سکتے جو اس کام سے مجھے حاصل ہو رہا ہو یا جس کے حصول کی میں کوشش کر رہا ہوں! اس بے غرضانہ
طریقے سے کسی فانی نفع کے بغیر جب میں اس دعوتِ حق کے کام میں شیب و روز اپنی جان کھپا رہا ہوں،
اپنے اوقات اور اپنی محنتیں صرف کر رہا ہوں اور ہر طرح کی تکلیفیں اٹھا رہا ہوں، تو تمہیں باور کرنا چاہیے
کہ میں اس کام میں مخلص ہوں، ایمان داری کے ساتھ جس چیز کو حق جانتا ہوں اور جس کی پیروی میں خلقِ خدا کی
فلاح دیکھتا ہوں وہی پیش کر رہا ہوں، کوئی نفسانی جذبہ اس کا محرک نہیں ہے کہ اس کی خاطر میں جھوٹ

پس تم اللہ سے ڈرو اور بے کھٹکے (کھٹکے) میری اطاعت کرو، انہوں نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھے گھر کر لوگوں کو دھوکا دوں۔

یہ دونوں دلیلیں اُن اہم دلائل میں سے ہیں جو قرآن مجید نے بار بار انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے ثبوت میں پیش کی ہیں اور جن کو وہ نبوت کے پرکھنے کی کسوٹی قرار دیتا ہے۔ نبوت سے پہلے جو شخص ایک معاشرے میں برسوں زندگی بسر کر چکا ہو اور لوگوں نے ہمیشہ ہر معاملہ میں اسے سچا اور راستباز آدمی پایا ہو، اس کے متعلق کوئی غیر متعصب آدمی مشکل ہی سے یہ شک کر سکتا ہے کہ وہ یکایک خدا کے نام سے اتنا بڑا جھوٹ بولنے پر اترا آئیگا کہ اسے نبی نہ بنایا گیا ہو اور وہ کہے کہ خدا نے مجھے نبی بنایا ہے۔ پھر دوسری اس سے بھی اہم تر بات یہ ہے کہ ایسا سفید جھوٹ کوئی شخص نیک نیتی کے ساتھ تو نہیں گھڑا کرتا۔ لامحالہ کوئی نفسانی غرض ہی اس فریب کاری کی محرک ہوتی ہے۔ اور جب کوئی شخص اپنی اغراض کے لیے اس طرح کی فریب کاری کرتا ہے تو اخفا کی تمام کوششوں کے باوجود اُس کے آثار نمایاں ہو کر رہتے ہیں۔ اسے اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑتے ہیں جن کے گھناؤنے پہلو گرد و پیش کے معاشرے میں چھپائے نہیں چھپ سکتے۔ اور مزید برآں وہ اپنی پیری کی دکان چمکا کر کچھ نہ کچھ اپنا بھلا کرنا نظر آتا ہے۔ نذرانے وصول کیے جاتے ہیں، لنگر جاری ہوتے ہیں، جانداویں بنتی ہیں، زیور گھرے جلتے ہیں، اور فیضی کا آستانہ دیکھتے دیکھتے شاہی و سارنیتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جہاں اس کے برعکس نبوت کا دعویٰ کرنے والے شخص کی ذاتی زندگی ایسے فضائل اخلاق سے لبریز نظر آئے کہ اس میں کہیں ڈھونڈے سے بھی کسی فریب کارانہ ہتھکنڈے کا نشان نہ مل سکے، اور اس کام سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھانا تو درکنار، وہ اپنا سب کچھ اسی خدمت بے مزد کی نذر کر دے، وہاں جھوٹ کا شبہ کرنا کسی معقول انسان کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ کوئی شخص جو عقل بھی رکھتا ہو اور بے انصاف بھی نہ ہو، یہ تصور نہیں کر سکتا کہ آخر ایک اچھا بھلا آدمی، جو اطمینان کی زندگی بسر کر رہا تھا، کیوں بلاوجہ ایک جھوٹا دعویٰ لیکر اٹھے جبکہ اسے کوئی فائدہ اس جھوٹ سے نہ ہو بلکہ وہ اٹھا اپنا مال، اپنا وقت اور اپنی ساری قومیں اور صنعتیں اس کام میں کھپا رہا ہو اور بدلے میں دنیا بھر کی دشمنی مول لے رہا ہو۔ ذاتی مفاد کی قربانی آدمی کے مخلص ہونے کی سب سے زیادہ نمایاں

مان میں حالانکہ تیری پیروی روزیل ترین لوگوں نے اختیار کی ہے۔ نوح نے کہا "میں کیا جانوں دلیل ہوتی ہے۔ یہ قربانی کہتے جس کو سالوں بیت جائیں اسے بد نیت یا خود غرض سمجھنا خود اس شخص کی اپنی بد نیتی کا ثبوت ہوتا ہے جو ایسے آدمی پر یہ الزام لگائے۔

۱۵۔ اس فقرے کی تکرار یہ وجہ نہیں ہے پہلے یہ ایک اور مناسبت سے فرمایا گیا تھا اور یہاں ایک دوسری مناسبت سے اس کو دہرایا گیا ہے۔ اور پرانی نکتہ رسول امین سے فانقوا اللہ کے فقرے کی مناسبت یہ تھی کہ جو شخص اللہ کی طرف سے ایک امانت دار رسول ہے، جس کی صفت امانت سے تم لوگ خود بھی واقف ہو، اسے جھٹلاتے ہوئے خدا سے ڈرو۔ اور یہاں ما استمکم علیہ من آجور سے اس فقرے کی مناسبت یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی ذاتی فائدے کے لیے پرے اخلاص کے ساتھ کام کر رہا ہے اس کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے خدا سے ڈرو۔ اس بات کو اتنا زبردیکر بیان کرنے کی وجہ یہ تھی کہ قوم کے سردار حضرت نوح کی مخلصانہ دعوت حق میں کٹے ڈالنے کے لیے ان پر یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ شخص دراصل یہ ساری دُور و حوب اپنی بڑائی کے لیے کر رہا ہے: **يُرِيدُ أَنْ يَمْلِكَكُمْ** الامنون رکوع ۲۲۔ یہ چاہتا ہے کہ تم پر فضیلت حاصل کرے۔

۱۶۔ یہ لوگ جنہوں نے حضرت نوح کو دعوت حق کا جواب دیا، ان کی قوم کے سردار، شیوخ اور شرف تھے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اسی قصے کے سلسلے میں بیان ہوا ہے: **فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَدْعُ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَدْعُكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرْسَلْنَا بِآيَاتِنَا وَمَا نَدْعُكُمْ عَلَيْنا مِنْ فَضْلٍ** (سورہ ہود، رکوع ۳)۔ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہمیں تو تم اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتے کہ بس ایک انسان ہو ہم جیسے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ان لوگوں نے بے سمجھے ہو جھے اختیار کر لی ہے جو ہمارے ہاں کے اراذل ہیں، اور ہم کوئی چیز بھی ایسی نہیں پاتے جس میں تم لوگ ہم سے بڑھے ہوئے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح پر ایمان لانے والے زیادہ تر غریب لوگ، چھوٹے چھوٹے پیشہ ور لوگ، یا ایسے نوجوان تھے جن کی قوم میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ رہے اپنے طبیعوں کے با اثر اور خوشحال لوگ، تو وہ ان کی مخالفت پر کمر بستہ تھے اور وہی اپنی قوم کے عوام کو طرح طرح

کہ ان کے عمل کیسے ہیں، ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے، کاش تم کچھ شعور کا مالک

کے فریب دے دے کر اپنے پیچھے لگائے رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں جو دلائل وہ حضرت نوح کے خلاف پیش کرتے تھے ان میں سے ایک استدلال یہ تھا کہ اگر نوح کی دعوت میں کوئی وزن ہوتا تو قوم کے امراء، علماء، مذہبی پیشوا، معززین اور سمجھ دار لوگ اسے قبول کرتے لیکن ان میں سے تو کوئی بھی اس شخص پر ایمان نہیں لایا ہے۔ اس کے پیچھے لگے ہیں ادنیٰ طبقوں کے چند نادان لوگ جو کوئی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ اب کیا ہم جیسے بلند پایہ لوگ ان بے شعور اور کمین لوگوں کے زمرے میں شامل ہو جائیں؟ بعینہ یہی بات قریش کے کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے تھے کہ ان کے پیرو یا تو غلام اور غریب لوگ ہیں یا چند نادان لڑکے، قوم کے اکابر اور معززین میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں ہے۔ ابوسفیان نے ہرقل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے بھی یہی کہا تھا کہ تبعہ منا الصنعقا و المساکین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہمارے غریب اور کمزور لوگوں نے قبول کی ہے، گویا ان لوگوں کا طرز فکر یہ تھا کہ حق صرف وہ ہے جسے قوم کے بڑے لوگ حق مانیں کیونکہ وہی عقل اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں، بے چھوٹے لوگ تو ان کا چھوٹا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بے عقل اور ضعیف الرائے ہیں، اس لیے ان کا کسی بات کو مان لینا اور بڑے لوگوں کا رد کر دینا صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ ایک بے وزن بات ہے۔ بلکہ کفار مکہ تو اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ دلیل لاتے تھے کہ پیغمبر بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہو سکتا، خدا کو اگر واقعی کوئی پیغمبر بھیجنا منظور ہوتا تو کسی بڑے رئیس کو بنا تا، وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْشِ لَكُنَّا بِكَ تُكَاكِبًا عَظِيمًا (الزخرف۔ رکوع ۳) وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ہمارے دونوں شہزادوں کے اور طاقتوروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟

۱۷
۱۷

۱۷

میرا یہ کام نہیں ہے کہ جو ایمان لائیں ان کو میں دھتکار دوں۔ میں تو بس ایک صاف صاف متنبہ کر دینے والا آدمی ہوں۔ انہوں نے کہا "اے نوح، اگر تو باز نہ آیا تو چھپکالے

اختناق و لائق اعتبار، اور نہ ان کے اعمال کا کوئی وزن۔ حضرت نوحؑ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میرے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ جو شخص میرے پاس اگر ایمان لاتا ہے اور ایک عقیدہ قبول کر کے اس کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے، اس کے اس فعل کی یہ میں کیا تحریکات کام کر رہے ہیں اور وہ کتنی کچھ قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ ان چیزوں کو دیکھنا اور ان کا حساب لگانا تو خدا کا کام ہے، میرا اور تمہارا کام نہیں ہے۔

شاید یہ ان کے اعتراض کا دوسرا جواب ہے۔ ان کے اعتراض میں یہ بات بھی مضمر تھی کہ ایمان لانے والوں کا جو گروہ حضرت نوح کے گروہ جمع ہو رہا ہے یہ چونکہ ہمارے معاشرے کے ادنیٰ طبقات پر مشتمل ہے، اس لیے اونچے طبقوں میں سے کوئی شخص اس زمرے میں شامل ہونا گوارا نہیں کر سکتا دوسرے

الفاظ میں گویا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے نوح، کیا تم پر ایمان لا کر ہم اپنے آپ کو اراذل اور سفہاء میں شمار کریں؟ کیا ہم غلاموں، نوکروں، مزدوروں اور کام پیشہ لوگوں کی صف میں آ بیٹھیں؟ حضرت نوح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ میں آخر یہ غیر معقول طرز عمل کیسے اختیار کر سکتا ہوں کہ جو لوگ میری بات

نہیں مانتے ان کے تو بیچھے پھرتا رہوں اور جو میری بات مانتے ہیں انہیں دھکے دیکر نکال دوں میری حیثیت تو ایک ایسے بے لاگ آدمی کی ہے جس نے علی الاعلان کھڑے ہو کر پکار دیا ہے کہ جس طریقے

پر تم لوگ چل رہے ہو یہ باطل ہے اور اس پر چلنے کا انجام تباہی ہے، اور جس طریقے کی طرف میں رہنمائی کر رہا ہوں اسی میں تم سب کی نجات ہے۔ اب جس کا جی چاہے میری اس تنبیہ کو قبول کر کے

سیدھے راستے پر آئے اور جس کا جی چاہے آنکھیں بند کر کے تباہی کے راستے چلتا رہے۔ میں یہ نہیں کر سکتا کہ جو اللہ کے بندے میری اس تنبیہ کو سن کر سیدھا راستہ اختیار کرنے کے لیے میرے پاس

آئیں ان کی ذات برادری نسب اور پیشہ پوچھوں اور اگر وہ آپ لوگوں کی نگاہ میں مکین ہوں تو ان کو واپس کر کے اس انتظار میں بیٹھا رہوں کہ "شریف" حضرات کب تباہی کا راستہ چھوڑ کر نجات کی راہ پر

قدم رنجہ فرماتے ہیں۔

ہوئے لوگوں میں شامل ہو کر رہیگا۔^{۱۹} نوح نے دعا کی "اے میرے رب میری قوم نے ٹھیک یہی معاملہ ان آیات کے نزول کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان چل رہا تھا اور اسی کو نگاہ میں رکھنے سے یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ حضرت نوح اور ان کی قوم کے سرداروں کی یہ گفتگو یہاں کیوں سنائی جا رہی ہے۔ کفار مکہ کے بڑے بڑے سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ہم آخر بلال اور عمار اور صہیب جیسے غلاموں اور کام پیشہ لوگوں کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے والوں کی صف سے یہ غریب لوگ نکالے جائیں تب کوئی امکان اس کا نکل سکتا ہے کہ اشراف اور حاکم کراؤں کریں، ورنہ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ محمود اور ایاز ایک صف میں کھڑے ہو جائیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بالکل صاف اور ٹوک ہدایت یہ دے دی گئی کہ حق سے منہ موڑنے والے مسکروں کی خاطر ایمان قبول کرنے والے غریبوں کو دھکے نہیں دیئے جاسکتے۔

اَمَّا مِّنْ اِسْتِغْنٰی فَاِنَّتَا لَهٗ تَصَدَّقْ
وَمَا عَلَيْكَ اِلَّا بِيْرَتِيْ وَاَمَّا مِّنْ جَاوِلٍ
يَّبْسُغِيْ وَهُوَ يَحْسِبُنِيْ فَاِنَّتَا عَنْهُ تَلِيْ، كَلَّا
اِنَّهَا تَذٰكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ (عبس)

اے محمد، جس نے بے نیازی برتن تم اس کے پیچھے پرتے ہو، حالانکہ اگر وہ نہ سدا صحت سے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے۔ اور جو تمہارے پاس ڈور آتا ہے اس حال میں کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے، تم اس سے بے رخی برتنے ہو، ہرگز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
بِالْغَدَاوَةِ وَالْعِشْيِ يَبْرِيْدُوْنَ. جُهْدُ
مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ
مِنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ
فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ۔

نہ دور چھینکو ان لوگوں کو جو شب و روز اپنے رب کو پکارتے ہیں محض اس کی خوشنودی کی خاطر ان کا کوئی حساب تمہارے ذمہ نہیں اور نہ تمہارا کوئی حساب ان کے ذمہ ہے، اس پر بھی اگر تم انہیں دور چھینکو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے۔ ہم نے تو

مجھے جھٹلا دیا۔ اب میرے اور ان کے درمیان دو ٹوک فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو

وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ - (الانعام - رکوع ۶)

اس طرح ان لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائش میں ڈال دیا ہے تاکہ وہ کہیں کیا ہلکے درمیان میں یہی لوگ رہ گئے تھے جن پر اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے۔ ہاں، کیا اللہ اپنے شاکر بندوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتا؟

۹۔ اصل الفاظ میں لَتَشْكُونَ مِنَ الْمَرْجُومِينَ۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم کو رجم کیا جائے گا، یعنی پتھر مارا کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ تم پر ہر طرف سے گالیوں کی بوچھاڑ کی جائے گی، جہاں جاؤ گے دشمنکارے اور جھٹکارے جاؤ گے۔ عربی محاورے کے لحاظ سے ان الفاظ کے یہ دونوں معنی ایسے جاسکتے ہیں۔

۱۰۔ یعنی آخری اور قطعی طور پر جھٹلا دیا ہے جس کے بعد اب کسی تصدیق و ایمان کی امید باقی نہیں رہتی ظاہر کلام سے کوئی شخص اس شبہ میں نہ پڑے کہ بس پیغمبر اور سردار ان قوم کے درمیان اوپر کی گفتگو ہوئی اور ان کی طرف سے پہلی ہی تکذیب کے بعد پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کے حضور رپورٹ پیش کر دی کہ یہ میری نبوت نہیں مانتے، اب آپ میرے اور ان کے مقدمہ کا فیصلہ فرمادیں۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اُس طویل کشمکش کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت نوح کی دعوت اور ان کی قوم کے اصرار علی الکفر کے درمیان صدیوں برپا رہی۔ سورہ عنکبوت میں بتایا گیا ہے کہ اس کشمکش کا زمانہ ساڑھے نو سو برس تک ممتد رہا ہے۔ فَلْيَشْرَفِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (رکوع ۲)۔ حضرت نوح نے اس زمانہ میں پشت و درشت آن کے اجتماعی طرز عمل کو دیکھ کر نہ صرف یہ اندازہ فرمایا کہ ان کے اندر قبول حق کی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے، بلکہ یہ رائے بھی قائم کر لی کہ آئندہ ان کی نسلوں سے بھی نیک اور ایماندار آدمیوں کے اٹھنے کی توقع نہیں ہے۔ إِنَّ تَدْرُهُمْ لَيُنْزِلُوا عَبَادَكَ وَلَا يَبِيدُوا إِلَّا أَلْفًا حَرًّا كَفَّارًا (نوح - رکوع ۲)۔ آئے رب اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا

مومن میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے۔ آخر کار ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ایک بھری ہوئی کشتی میں بچا لیا۔ اور اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔

یقیناً اس میں ایک نشانی ہے، مگمان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ عادتے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جبکہ ان کے بھائی ہوئے ان سے کہا تھا کیا

فاجرا و سخت منکر حق ہوگا، خود اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت نوح کی اس رائے کو درست قرار دیا اور اپنے علم کامل و شامل کی بنا پر فرمایا لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ تَدَامَنَ فَلَا يَنْتَشِرُ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ کہ ہر رکو ع ۲، "تیری قوم میں سے جو ایمان لاچکے بس وہ لاکچھے، اب کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ لہذا اب ان کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑ دے"

۱۳۷ یعنی صرف یہی فیصلہ نہ کر دے کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون، بلکہ وہ فیصلہ اس شکل میں نافذ فرما کہ باطل پرست تباہ کر دیئے جائیں اور حق پرست بچا لیں جائیں۔ یہ الفاظ کہ مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو بچالے خود بخود اپنے اندر یہ مفہوم رکھتے ہیں کہ باقی لوگوں پر عذاب نازل کر اور انہیں حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دے۔

۱۳۸ "بھری ہوئی کشتی" سے مراد یہ ہے کہ وہ کشتی ایمان لانے والے انسانوں اور ان تمام جانوروں سے بھر گئی تھی جن کا ایک ایک جوڑا ساتھ رکھ لیتے کی ہدایت فرمائی گئی تھی۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ ہود، آیت ۴۰۔

۱۳۹ تقابلی کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۴۴ تا ۴۵۔ ۲۴۵ تا ۲۴۹۔ مزید برآں اس حصے کی تفصیلات کے لیے قرآن مجید کے حسب ذیل مقامات بھی نگاہ میں رہیں: عم السجدہ رکو ع ۲۔ الاحقاف رکو ع ۳۔ الناریات رکو ع ۲۔ القمر رکو ع ۱۔ الحاقہ رکو ع ۱۔ الفجر۔

اس قوم کے متعلق قرآن مجید میں جو معلومات ہم کو دی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے: قوم نوح کی تباہی کے بعد دنیا میں جس قوم کو عروج عطا کیا گیا وہ یہی تھی:-

تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہذا تم اللہ سے ڈرو

وَاذْكُرُوا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلُقَاءَ مِنْ بَعْدِ
قومِ نُوحٍ - (الاعراف - رکوع ۹) کے بعد اس نے تم کو خلیفہ بنایا۔

جسمانی حیثیت سے یہ بڑے تو منداور زور آور لوگ تھے:

وَاذْكُرْ فِي الْخَلْقِ بَصُطَةَ (الاعراف) اور تمہیں جسمانی ساخت میں خوب تو مندا کیا۔

اپنے دور میں یہ بے نظیر قوم تھی، کوئی دوسری قوم اس کی ٹنکر کی نہ تھی:

الَّتِي لَمْ يَخْلُقْ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ (الفجر) جس کے مانند ملکوں میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی۔

اس کا تمدن بڑا شاندار تھا، اونچے اونچے ستونوں کی بلند و بالا عمارتیں بنا کر اس کی وہ خصوصیت

تھی جس کے لیے وہ اس وقت کی دنیا میں مشہور تھی:-

الْمَ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعِبَادِ
تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے کیا کیا ستونوں والے

اِذْ مَدَّاتِ الْعِمَادِ (الفجر) عمارتوں کے ساتھ؟

اس مادی ترقی اور جسمانی زور آوری نے ان کو سخت تکبر بنا دیا تھا اور انہیں اپنی طاقت کا

بڑا گھمنڈ تھا:

فَا مَا عَادَا فَاسْتَلْبِزُّوا فِي الْاَرْضِ بَعْبِرِ

رہے عادی تو انہوں نے زمین میں حق کی راہ سے ہٹ کر

تکبر کی روش اختیار کی اور کہنے لگے کہ کون ہے ہم

الْحَقِّ وَقَالُوا مَنِ اَسْتَدُّ مَنَا فَوْءًا

(رحم السجدہ - رکوع ۲۵) سے زیادہ نہ دے اور۔

ان کا سیاسی نظام جبر و ظلم پر قائم تھا:

فَاتَّبِعُوا اَمْرًا كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ (ہود - رکوع ۵) اور انہوں نے ہر جبار دشمن حق کے حکم کی پیروی کی

مذہبی حیثیت سے یہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہ تھے، بلکہ شرک میں مبتلا تھے۔ ان کو اس بات

سے انکار تھا کہ بندگی صرف ایک اللہ کی ہونی چاہیے:

قَالُوا اَجِئْنَا لِنُعْبِدَ اللّٰهَ وَحَدَاةً وَّ

انہوں نے (سہو سے) کہا کیا تو ہمارے پاس

اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لا حاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو، اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔

نَذَرَ مَا كَانَ يُعْبَدُ آبَاؤَنَا۔ اس لیے آ رہا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں

(الاعراف) اور ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا

کرتے تھے؛

ان خصوصیات کو نظر میں رکھنے سے حضرت ہوؤ کی وہ تقریر دعوتِ اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے جو یہاں نقل کی گئی ہے۔

۲۴ یعنی محض اپنی عظمت و خوشحالی کا مظاہرہ کرنے کے لیے ایسی عالیشان عمارتیں تعمیر کرتے ہو جن کا کوئی مہرب نہیں، جن کی کوئی حاجت نہیں، جن کا کوئی فائدہ اس کے سوا نہیں کہ وہ بس تمہاری دولت و شوکت کی نمود کے لیے ایک نشانی کے طور پر کھڑی رہیں۔

۲۵ یعنی تمہاری دوسری قسم کی تعمیرات ایسی ہیں جو اگرچہ استعمال کے لیے ہیں، مگر ان کو شاندار مزین اور مستحکم بنانے میں تم اس طرح اپنی دولت، محنت اور قابلیتیں صرف کرتے ہو جیسے دنیا میں ہمیشہ رہنے کا سامان کر رہے ہو، جیسے تمہاری زندگی کا مقصد بس یہیں کے عیش کا اہتمام کرنا ہے اور اس کے ماوراء کوئی چیز نہیں ہے جس کی تمہیں فکر ہو۔

اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ شاندار عمارتیں بنانا کوئی منفرد فعل نہیں ہے جس کا ظہور کسی قوم میں اس طرح ہو سکتا ہو کہ اس کی اور سب چیزیں تو ٹھیک ہوں اور بس یہی ایک کام وہ غلط کرتی ہو۔ یہ صورت حال تو ایک قوم میں رونما ہی اس وقت ہوتی ہے جب ایک طرف اس میں دولت کی ریل پل ہوتی ہے اور دوسری طرف اس کے اندر نفس پرستی و مادہ پرستی کی شدت بڑھتے بڑھتے جنون کی حد کو پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ حالت جب کسی قوم میں پیدا ہوتی ہے تو اس کا سارا ہی نظام تمدن فاسد ہو جاتا ہے۔ حضرت ہو و علیہ السلام نے اپنی قوم کی تعمیرات

اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو جبار بن کر ڈالتے ہو۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا ہے جو تم جانتے ہو تمہیں جانور دیتے، اولادیں دیتے، باغ دیتے اور چشمتے دیتے۔ مجھے تمہارے تن میں ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ انہوں نے جواب دیا تو نصیحت کر یا نہ کر، ہمارے لیے سب یکساں ہے۔ یہ باتیں تو یونہی ہوتی چلی آئی ہیں، پر جو گرفت کی اس سے مقصود یہ نہیں تھا کہ ان کے نزدیک مرتبہ عمارتیں ہی بچائے خود قابلِ عقربہ تھیں بلکہ دراصل وہ بحیثیت مجموعی ان کے فساد تمدن و تہذیب پر گرفت کر رہے تھے اور ان عمارتوں کا ذکر انہوں نے اس حیثیت سے کیا تھا کہ رائے ملک میں ہر طرف یہ بڑے بڑے پھوٹے اس فساد کو نمایاں ترین علامت کے طور پر ابھرے نظر آتے تھے۔

۲۶ یعنی اپنا معیار زندگی بلند کرنے میں تو تم اس قدر غلو کر گئے ہو کہ رہنے کے لیے تم کو مکان نہیں ملتا اور قصر و دربار ہیں، اور ان سے بھی جب تمہاری تسکین نہیں ہوتی تو بلا ضرورت عالی شان عمارتیں بنا ڈالتے ہو جن کا کوئی فائدہ اظہار قوت و ثروت کے سوا نہیں ہوتا۔ لیکن تمہارا معیار انسانیت انما گرا ہوا ہے کہ کمزوری کے لیے تمہارے دلوں میں کوئی رحم نہیں، غریبوں کے لیے تمہاری سرزمین میں کوئی انصاف نہیں، گرد و پیش کی ضعیف قومیں ہوں یا خود اپنے ملک کے پست طبقات، سب تمہارے جبر و ظلم کی چکی میں پس رہتے ہیں اور کوئی تمہاری چہرہ دستیبوں سے بچا نہیں رہ گیا ہے۔

۲۷ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں یہ آج کوئی نئی چیز نہیں ہے، صدیوں سے ہمارے باپ دادا ہی کچھ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یہی ان کا دین تھا، یہی ان کا تمدن تھا اور ایسے ہی ان کے اخلاق اور معاملات تھے۔ کونسی آفت ان پر ٹوٹ پڑی تھی کہ اب ہم اس کے ٹوٹ پڑنے کا اندیشہ کریں۔ اس طرز زندگی میں کوئی خرابی ہوتی تو پہلے ہی وہ عذاب آچکا ہوتا جس سے تم ڈراتے ہو۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو باتیں تم کہہ رہے ہو ایسی ہی باتیں پہلے بھی بہت سے مذہبی خیالی اور اخلاق کی باتیں گھرانے والے کرتے رہے ہیں، مگر دنیا کی گاڑی جس طرح چل رہی تھی اسی طرح چلے جا رہی ہے، تم جیسے لوگوں کی باتیں نہ ماننے کا یہ نتیجہ کبھی برآمد نہ ہوا کہ یہ گاڑی کسی صدمہ سے دوچار ہو کر لاٹ گئی ہو۔

اور ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں۔ آخر کار انہوں نے جھٹلا دیا اور ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔

یقیناً اس میں ایک نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

۱۰۰ اس قوم کے ہلاک ہونے کی جو تفصیل قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اچانک زور کی آندھی اٹھی یہ توگ۔ دیر سے اس کو اپنی وادوں کی طرف آتے دیکھ کر سمجھے کہ گھٹا چھاٹی ہے۔ خوشیاں منانے لگے کہ اب خوب بارش ہوگی۔ مگر وہ تھا خدا کا عذاب۔ آٹھ دن اور سات راتوں تک مسلسل ایسی طوفانی ہوا چلتی رہی جس نے ہر چیز کو تباہ کر ڈالا۔ اس کے زور کا یہ عالم تھا کہ اس نے آدمیوں کو اٹھا اٹھا پھینک دیا۔ اس کی گرمی و خشکی کا یہ حال تھا کہ جس چیز پر گزر گئی اسے بوسیدہ کر کے رکھ دیا۔ اور یہ طوفان اس وقت تک نہ تھا جب تک اس ظالم قوم کا ایک ایک متنفس ختم نہ ہو گیا۔ بس ان کی بستیوں کے کھنڈ رہی ان کے انجام کی داستان سنانے کے لیے کھڑے رہ گئے۔